شریعت کا تحفظ

اور ہماری ذمہ داریاں

مفتی محمد سالم صاحب قاسمی سریانوی استاذ تفسیر وفقہ جامعہ ہٰذا

''دین اسلام'' اللہ رب العزت کا آخری اور پسندیدہ دین ہے، اس دین میں بنیادی نقطۂ نظر ''عقیدۂ توحید'' ہے، جس کی بنیاد پر انسانوں کا رشتہ مالک حقیقی سے جڑتا ہے، اور یہ وہ دین ہے جس کے ذریعہ اس مالک حقیقی نے ہمیں زندگی گزارنے اور برتنے کے سلیقے اور اصول دیے ہیں جن کو ہم اصطلاح میں ''شریعت'' کہتے ہیں، یہ ''شریعت'' دراصل خدا کا وہ قانون وآئین ہے، جو اپنے دامن میں ہر مرض کی دوا اور علاج رکھتا ہے، جس کے بحر ناپیدا کنار میں زندگی کے جملہ شعبوں کے زریں اصول وضوابط بتائے گئے ہیں، یہ ''شریعت'' ایک ایسا فارمولہ ہے جس سے انسانی زندگی کے تمام مسائل حل ہوتے ہیں اور انسان ایک خدا وحدہ لاشریک لہ کو جانتا ہے، اور اس کے بتائے ہوئے طور طریقے کے مطابق دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی کو خوب سے خوب تر کرنے کی کوشش کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس فانی دنیا میں کامیابی وکامرانی سے ہم کنار ہوتا ہے اور اخروی زندگی میں بھی فلاح وبہبود سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْھَانٌ مِنْ رَبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُبِیْنًا☆ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِنْہُ وَفَضْلٍ وَیَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُسْتَقِیْمًا﴾ (سورۃ النساء: ۱۷۴-۱۷۵)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آچکی ہے، اور ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی روشنی بھیج دی ہے جو راستے کی پوری وضاحت کرنے والی ہے۔ چناں چہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں اور انھوں نے اسی کا سہارا تھام لیا ہے، اللہ ان کو اپنے فضل اور رحمت میں داخل کرے گا، اور انھیں اپنے پاس آنے کے لیے سیدھے راستہ تک پہنچائے گا۔ (توضیح القرآن)

دوسری جگہ خدائی احکام اوررسول ﷺ کے طریقے کے مجموعے کواپنانے اوراس کے مطابق زندگی برتنے کی صورت میں ''بڑی کامیابی'' کاوعدہ فرمایا گیاہے۔ارشادہے:

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ (سورة الأحزاب:۷۱)

اور جوشخص اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرے،اس نے وہ کامیابی حاصل کرلی جوزبردست کامیابی ہے۔(توضیح القرآن)

یہ اوراس کے علاوہ کثیر تعداد میں آیات ہیں،جن میں ''شریعت'' اپنانے پراللہ رب العزت کی طرف سے کامیابی کاحسین وعدہ کیا گیا ہے۔اس کے برخلاف ''شریعت'' سے کنارہ کش ہوکر،احکام خداوندی اورطریقۂ نبوی (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کوچھوڑکرزندگی گزارنے میں دنیاوآخرت دونوں کانقصان ہے،اس ذیل کی بھی مختلف آیات ہیں جن میں بصراحت اس نقصان کاتذکرہ کیا گیاہے۔

شریعت اورہماری زندگی

ماسبق سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ انسان کی کامیابی کااصلی راز ''شریعت'' کے اپنانے اور برتنے میں ہے، اوراس سے کنارہ ہوکرزندگی گزارنے میں سراسرنقصان وخسران ہے،لیکن آج ہم مسلمانوں کی جوصورت حال ہے وہ منفی پہلو کے حوالے سے ہے،جس میں ہم شریعت اورخدائی قانون سے ہٹ کرزندگی گزاررہے ہیں، نہ عبادات میں ہماراکوئی اہم حصہ ہے، نہ ہی زندگی کے دیگرشعبوں میں؛ بل کہ عبادات کوچھوڑکردوسرے شعبوں کے تئیں عام مسلمانوں کاجورویہ ہے وہ حددرجہ افسوس ناک وکرب ناک ہے، عام مسلمانوں کی زندگی دیکھ کرایسامعلوم ہوتاہے کہ ''دین وشریعت'' صرف عبادات کا نام ہے، زندگانی کے دوسرے شعبوں مثلاً تجارت، معاشرت اوراخلاقیات سے مسلمانوں کوکوئی سروکار نہیں ہے، حالاں کہ ''دین اسلام'' ایک جامع ترین مذہب ہے،جس میں زندگی کےتمام شعبوں کے لیے رہنمائی وحل موجودہے،اسی شریعت کی بنیادپرغیروں کومطمئن کیاجاسکتاہے اوربےچین دنیاکواطمینان وسکون کی راہیں دی جاسکتی ہیں۔تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں نے اپنی زندگی کابنیادی اصول ''دین وشریعت'' کوبنایاتھاوہ ہراعتبارسے کامیاب اورمطمئن تھے،غیربھی ان کی ماتحتی قبول کرتے تھےاور ان کواپنے وقت کاسب سے بڑاانسان سمجھتے تھے۔اور یہ صورت وکیفیت صرف اسی دین محمدی کے ساتھ خاص نہیں ہے،بل کہ اپنے وقت میں ہراس ضابطہ ونظام کےساتھ مربوط ہےجس کی بنیادقانون الٰہی ہو، اوراسی کےضوابط کی پاسداری کی جاتی ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جو حالات قرآن نے بیان کیے ہیں اس کا ایک نمایاں واقعہ ان کی مصر میں بود وباش اور آہستہ آہستہ حکومت وقت کے اہم عہدے پر فائز ہونا ہے، جب کہ بھائیوں کی سوچ کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کنویں کی نذر ہوکر ختم ہوچکی تھی، لیکن جب قحط نے ان کو مصر پہنچایا اور وہاں سے ضرورتوں کی تکمیل ہوئی اور ''وزیر مالیات'' سے گفت وشنید ہوئی تو پتہ چلا کہ ہم نے جس کو کنویں کی نذر کیا تھا آج اس کے پاس ملک کا خزانہ ہے، چناں چہ ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی اور انھوں نے حیرت واستعجاب کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ ہی یوسف ہیں؟ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے جو بات ارشاد فرمائی تھی وہ ہم سب کے لیے، بل کہ پوری امت کے لیے نمونہ اور قابل تقلید ہے، آپ نے زندگی کے نشیب وفراز میں صبر اور تقوی شعاری کے دامن سے چمٹنے اور اس اہم وزریں اصل کا حوالہ دیتے ہوئے اور بھائیوں کے استعجاب کو رفع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

﴿إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (سورہ یوسف: ۹۰)

جو بندہ تقوی اور صبر اختیار کرے، تو اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا، ان کو اجر ضرور مل کر رہے گا۔

مذکورہ واقعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان چاہے جہاں بھی ہو، جس ملک میں ہو، جیسے بھی حالات ہوں، اگر اس کی زندگی میں صبر کا دامن اور خدا کا تقوی موجزن ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو زیر نہیں کرسکتی ہے، وہ بہر صورت فلاح وبہبود سے بہرہ ور ہوگا اور دنیا ایک دن اس کے زیر نگیں ہوگی۔

لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ آج مسلمانوں کے حالات نا قابل بیان ہیں، اسلامی دستور حیات اور خدائی آئین وقانون سے مسلمانوں کا واسطہ نہیں ہے، بل کہ صرف دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اسی پر مگن ہیں، اور اسی کے طالب ہیں اور اسی کی شبانہ روز محنت میں مشغول ہیں۔ **فیا للأسف!**

شریعت اور ہندوستان کے حالات

موجودہ دور حکومت میں مسلمان جن مصائب وآلام سے دوچار ہیں ان میں ایک اہم مسئلہ ''شریعت میں مداخلت'' اور اصلاحات کے نام پر ''مسلم پرسنل لاء'' میں ترمیم وتبدیلی ہے، ویسے یہ مداخلت کی ناپاک کوشش صرف آج ہی نہیں بل کہ ہندوستان میں برسوں سے ہے، برٹش دورِ حکومت میں بھی انگریزوں کی طرف سے اس کی کوشش کی گئی تھی، جس کو اس وقت کے غیور اور نبض شناس علماء نے ''شریعت ایکٹ'' کے ذریعہ ناکام بنایا، اس کے بعد آزاد ہندوستان میں بارہا پرسنل لاء میں ترمیم اور

مداخلت کی کوشش کی گئی، جس کو علمائے عصر نے ہر ممکن طریقہ سے ناکام کیا اور تحفظ شریعت کے لیے ہر طرح کی قربانی دی، لیکن آج جس انداز سے اس میں مداخلت کی کوشش کی جارہی ہے وہ بہت ہی افسوس ناک اور تکلیف دہ پہلو ہے، جہاں ''آئین ہند'' کی مختلف دفعات میں یہاں کے شہریوں کو ہر طرح کی آزادی دی گئی ہے وہیں پر آئین کی دفعہ نمبر (۴۴) میں اس بات کا شوشہ چھوڑ دیا گیا کہ اس کی کوشش کی جائے کہ ملک کو ''یکساں سول کوڈ'' کے سانچے میں ڈھالا جاسکے اور ان کو ایک طرزِ زندگی کا پابند بنایا جائے، چناں چہ اس دفعہ میں درج ذیل عبارت بطور عنوان ومتن کے درج ہے:

> ''شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ: ۴۴۔مملکت یہ کوشش کرے گی کہ بھارت کے پورے علاقہ میں شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ کی ضمانت ہو''۔(بھارت کا آئین اردو ترجمہ ص:۶۲، مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی)

یہی وہ ایک دفعہ ہے جس کی آڑ میں ملک کو ''یکساں سول کوڈ'' کی طرف لے جانے اور ایک ہی طرزِ زندگی ومعاشرت کا پابند بنانے کی کوشش جاری ہے، اس کے لیے بالخصوص عورتوں کی نزاکت اور نسوانیت کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے، اور ان سے متعلقہ مسائل جیسے طلاق ثلاثہ، حلالہ اور تعدد ازدواج کے نام پر ورغلایا جارہا ہے، ذہنوں کے اندر نفرت کے بیج کو پروان چڑھا کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلوانے اور اسلام کو دقیانوسی و ناقابل استعمال گرداننے کی کوشش کی جارہی ہے، ابھی حال ہی میں حکومت ہند نے طلاق ثلاثہ کے نام پر جو گھناؤنا کھیل کھیلا ہے وہ سب پر ظاہر ہے، جس میں حکومت نے مسلم عورتوں کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری کا وہ راگ الاپا ہے جس کا شاید معتدل اور انصاف پسند حلقوں میں کوئی تصور نہیں ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس کو ''مسلم دشمنی'' اور ''برہمن وادی نظریہ'' کی ترویج واشاعت کا ایک اہم پلیٹ فارم بنایا گیا ہے، تاکہ اس سے بآسانی اسلام کی صحیح اور سچی تعلیمات پر اعتراض کیا جاسکے اور سادہ لوح مسلمانوں اور غیروں کے دلوں میں شکوک وشبہات کے بیج بو کر اپنی روٹی سینکی جاسکے اور اقتدار کی بھوک کو دوآتشہ کرکے خوب سیرابی کی جائے۔

اس پس منظر میں ہمیں اسلامی تاریخ کے واقعات نہیں بھولنا چاہیے، تاریخ اسلامی میں ایسے واقعات ونمونے پائے جاتے ہیں جس میں دوسروں نے اسلامی تعلیمات کی بیخ کنی اور اس میں مداخلت کی کوشش کی، لیکن اس وقت کے اکابر وبزرگان دین نے اپنی ایمانی ثبات قدمی، دینی واسلامی استقامت پسندی کی بنیاد پر ان جڑوں کو ہی اکھاڑ پھینکا جو اسلام اور دین میں کسی بھی درجہ میں مداخلت کے لیے کوشاں تھے۔

اس حوالے سے تاریخ اسلامی میں سب سے پہلا واقعہ سیدالانبیاء والمرسلین ﷺ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنتے ہی پیش آیا، جو کہ تاریخ کا انتہائی مشہور واقعہ ہے، بعض عرب قبائل نے صاف لفظوں میں زکاۃ کی ادائیگی کا انکار کیا، لیکن وہ اس کی فرضیت کے منکر نہیں تھے بل کہ ان کا کہنا تھا کہ یہ زکاۃ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ساتھ خاص تھی، اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، اس موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور صاف لفظوں میں ان سے جہاد کا اعلان کر دیا، جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے اس فیصلے سے متفق نہیں تھے، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر تقریر کی اور صورت حال کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں کی تو دیگر صحابہ کو بھی اس پر شرح صدر ہوا اور انھوں نے جہاد کی موافقت کی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تاریخی جملہ احادیث کی کتابوں میں پایا جاتا ہے، آپ نے بڑے ہی پر جوش انداز میں صاف لفظوں میں کہا کہ جو بھی احکام شرع میں تخفیف کرے گا یا حکم میں ترمیم وتبدیلی کرے گا اس کا انجام قتال وجہاد کے علاوہ کچھ نہیں، آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

”**واللہ لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة؛ فإن الزكاة حق المال، والله لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها**“ (رواه البخاري: كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة)

”خدا کی قسم! میں ضرور ان لوگوں سے جہاد کروں گا جنھوں نے نماز اور زکاۃ میں تفریق کر دی، بے شک زکاۃ مال کا حق ہے، واللہ اگر یہ لوگ اس رسی کو دینے سے رکیں گے جو رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو بھی میں ان سے جہاد کروں گا“

اس پورے واقعہ کے پس منظر اور پیش منظر کو پڑھیں، یہ واقعہ بھی احکام شرع میں ایک گونہ مداخلت ہی کا ہے، جس میں نماز کو تو برقرار رکھا گیا لیکن زکاۃ کو ناقابل عمل گردانا گیا، اور یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ زکاۃ صرف آپ ﷺ کی زندگی کے ساتھ خاص تھی، لہذا ہم اس کی ادائیگی نہیں کریں گے۔

اس کے علاوہ خود ہندوستان کے مغلیہ دور حکومت میں خدائی قانون کے اندر تبدیلی وترمیم کا سب سے اندوہناک واقعہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں خود اسی کے ہاتھوں ہوا، جس میں اس نے ایک نئے دین ”دین الٰہی“ یا ”دین اکبری“ کے نام سے پیش کرنے کی کوشش کی، جس میں ذاتی طور پر اسلام اور ہندوازم کے اشتراک کو لے کر ایک نیا قانون وآئین ہندوستان میں متعارف کرانے کی سعی کی گئی، لیکن اس وقت اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے عظیم مرد مجاہد عالم ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

آ گے آئے اور توفیق ایزدی سے اس فتنہ کا تقریباً مکمل خاتمہ کردیا، لیکن اس کے لیے انھیں مسلسل کوشش اور جدوجہد کرنی پڑی، جس کی تفصیل ان کے مکاتیب وخطوط وغیرہ سے ظاہر ہے۔

شریعت میں مداخلت کیوں؟

اب یہاں پہنچ کر ایک سوال ہوتا ہے کہ آخر ہندوستان میں کیوں مسلمانوں کے عائلی مسائل اور پرسنل لاء میں مداخلت کی جارہی ہے؟ اور یہاں کی صنف نازک کے دو چار مسائل کو لے کر غیر ذمہ دارانہ طریقہ؛ -بل کہ نہایت ہی شاطرانہ طریقہ- سے ''ہمدردی وغمگساری'' کا نعرہ دیا جارہا ہے؟

یہاں اس بات سے قطع نظر کہ راست طور پر ہم مسلمانوں ہی کی کمزوری، سستی اور ایمان واسلام سے دوری کی وجہ سے مداخلت کے دروازے کھلتے ہیں، پیش نظر سطور میں ظاہری طور پر ہندوستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں سبب مداخلت زیر ذکر ہے، مزید کا تذکرہ آگے آئے گا۔

اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں ہندوستان کے قومی نظریہ اور موجودہ حکومت کی پالیسیوں کو سمجھنا ہوگا۔ یہ بات طے ہے کہ موجودہ مرکزی حکومت برہمن وادی نظریہ والی تنظیم آر۔ایس۔ایس۔ کا صرف سیاسی بازو ہی نہیں بل کہ یہ پارٹی اسی تنظیم کی پیداوار ہے، جیسا کہ ویکی پیڈیا ویب سائٹ کے درج ذیل لنک پر موجود ہے:

https://en.wikipedia.org/wiki/Rashtriya_Swayamsevak_Sangh

یہی بات مزید وضاحت کے ساتھ خود پارٹی کی ویب سائٹ کے درج ذیل لنک پر بھی موجود ہے: http://www.bjp.org/about-the-party اور اس تنظیم کے منشور میں ایک اہم نظریہ ہندوستان کو برہمن وادی نظریہ یعنی ہندوازم کی طرف واپس لے جانا ہے، جو کہ ان کے مطابق یہاں کے پُروَجوں، پُرکھوں اور پہلے لوگوں کا مذہب وعقیدہ تھا، جیسا کہ یہ بات آر۔آر۔ایس۔ کی ویب سائٹ کے درج ذیل لنک پر موجود ہے:

http://rss.org/hindi//Encyc/2017/6/4/basic-faq-hindi.html

ویب سائٹ پر موجود ''عام سوال'' کے ذیل میں ایک سوال پوچھا گیا ہے کہ ''کیا سنگھ میں مسلم اور عیسائی کو بھی اجازت مل سکتی ہے؟'' اس کے جواب میں لکھا گیا ہے ''بھارت میں رہنے والا عیسائی یا مسلم بھارت کے باہر سے نہیں آیا ہے، وہ سب یہیں کے ہیں، ہمارے سب کے پرکھے ایک ہی ہیں، کسی وجہ سے مذہب بدلنے سے زندگی کا نقطۂ نظر نہیں بدلتا ہے، اس لیے کہ ان سب کی زندگی کا نقطۂ نظر بھارت کا یعنی ہندو ہے، ہندو ہونے کے ناطے وہ اس میں آسکتے ہیں''۔

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ یہ ملک ابتدا ہی سے ''ہندوازم'' کا علم بردار رہا ہے، یہاں رہنے اور بسنے والے سب ہندو ہیں، چاہے وہ اس وقت کسی بھی مذہب یا عقیدہ کے ماننے والے ہوں، درحقیقت یہ سب ہندوازم ہی کے تابع ہیں، کسی وجہ سے مذہب بدلنے سے زندگی کا رخ نہیں بدلتا ہے، اس لیے ان کی گھر واپسی ضروری ہے۔

آر۔ایس۔ایس۔ سیاسی مفاد کے لیے دوقومی نظریہ کی حامل تنظیم ہے، جب کہ درحقیقت ایک قومی نظریہ یعنی ''ہندوازم'' کی علم بردار ہے، دوقومی نظریہ کے تحت جہاں ایک طرف مسلمان ہیں، تو دوسری طرف ہندو ہیں، اور ان کے درمیان ایک خلیج ہے، وہ اس خلیج کو پُر کرکے سب کو ایک قومی نظریہ یعنی ہندوازم پر لانا چاہتی ہے، ان کے بیان کے مطابق یہاں صرف قومیت و مذہب کے اعتبار سے ہندو ہی ہیں، باقی کوئی اور مذہب اس ملک کی تشکیل میں کوئی اہمیت و کردار نہیں رکھتا ہے۔ ہندومہاسبھا کے ۱۹ویں اجلاس (سنہ ۱۹۳۷ء احمدآباد) کے موقع پر صدارتی خطبہ پڑھتے ہوئے ساورکر (ونائیک دامودر ساورکر ۱۸۸۳ء-۱۹۶۶ء، یہ وہی ساورکر ہیں جن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ڈاکٹر ہیڈگوار نے آرایس ایس کی بنیاد رکھی تھی) نے کہا تھا:

''فی الحال ہندوستان میں دو مقابل قومیں پاس پاس رہ رہے ہیں، کئی ناپختہ سیاستداں یہ مان کر سنجیدہ غلطی کر بیٹھتے ہیں کہ ہندوستان پہلے ہی سے ایک پراخلاص ملک کی شکل میں ڈھل گیا ہے،...... بل کہ سیکڑوں سالوں سے ہندو اور مسلمانوں کے بیچ تہذیبی، مذہبی اور قومی رقابت کے نتیجے میں ہم تک پہنچے ہیں، آج یہ قطعی طور پر نہیں مانا جاسکتا کہ ہندوستانی ایک جہتی میں پروئی ہوئی قوم ہے، بل کہ اس کے خلاف ہندوستان میں خاص طور پر دوقومیں ہیں: ہندو اور مسلمان''۔ (آرایس ایس کو پہچانیں، ص:۴۹، مطبوعہ فاروس میڈیا اینڈ پبلیشر دہلی)

''ہندوستان کی تشکیل میں صرف ہندوؤں نے ہی کام کیا ہے، جب کہ مسلمان اور دوسری قومیں اس کی تشکیل میں حصہ دار نہیں ہیں''، یہ ایسا جھوٹ ہے جس کو وہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں دہراتے رہتے ہیں، چناں چہ ملک کی آزادی کے موقع پر (۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء) کو آرایس ایس کے انگریزی جریدے ''آرگنائزر'' نے ایک اداریہ کے ذریعہ اس کی بھڑاس نکالتے ہوئے لکھا تھا:

''قومیت کی جھوٹی سمجھ سے ہمیں بچنا چاہیے، بہت سے دماغی بھٹکاؤ اور حال و مستقبل کی پریشانیوں کو دور کیا جاسکتا ہے اگر ہم اس سچائی کو مان لیں کہ ہندوستان میں صرف ہندو ہی قوم کی تشکیل کرتے

ہیں اور قومیت کا ڈھانچہ اسی محفوظ اور صحیح بنیاد پر کھڑا کیا جانا چاہیے، اس قوم کو ہندوؤں کے ذریعے، ہندو روایتوں، تہذیب، افکار اور امیدوں کی بنیاد پر ہی بنایا جانا چاہیے''۔(حوالۂ بالا ص:۵۱)

آر ایس ایس اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ زندگی کے اصول اور آئین کے طور پر اگر کوئی قانون برتا جاسکتا ہے تو صرف ''منوسمرتی'' ہے، یہی وہ قانون وآئین ہے جس کو انھوں نے ''ہندوتو'' کی بنیاد قرار دیا ہے، اور ان کے یہاں اسی نقطۂ نظر کی تبلیغ واشاعت اور اس کے مطابق اصول زیست کو گزارنے کی تلقین کی جاتی ہے، یہی نہیں بل کہ یہ لوگ بھارتی آئین وقانون کی جگہ اسی ''منوسمرتی'' کو بطور قانون اور آئین کے نافذ کرنا چاہتے ہیں، ان کے نزدیک ''منوسمرتی'' کی اہمیت کا اندازہ اسی مذکورہ ''ساورکر'' کے درج ذیل جملے سے واضح ہوتا ہے:

''منوسمرتی'' ایک ایسا مذہبی صحیفہ ہے جو ہماری ہندو قوم کے لیے ویدوں کے بعد سب سے زیادہ لائق عقیدت ہے اور قدیم زمانے سے ہی ہماری ہندو تہذیب، رسم ورواج، خیالات اور برتاؤ کی بنیاد ہو گیا ہے۔ صدیوں سے اس کتاب نے ہمارے ملک کی روحانی اور مذہبی تحریک کو نقش بند کیا ہے، آج بھی کروڑں ہندو اپنی زندگی اور عادتوں میں جن قوانین کی تعمیل کرتے ہیں وہ ''منوسمرتی'' کے مطابق ہیں، آج ''منوسمرتی'' ہندو قانون ہے''۔(حوالۂ بالا ص:۴۰)

یہی نہیں، بل کہ جب ہمارے ملک کی آئین ساز اسمبلی نے ۲۶/ جنوری ۱۹۴۹ء کو ہندوستانی آئین کو آخری جامہ پہنایا تو راشٹریہ سویم سیوک سنگھ نے ''منوسمرتی'' کو ہندوستان کا آئین نہ بنائے جانے پر اپنی سخت ناراضگی ظاہر کی تھی اور ''منوسمرتی'' ہی کو قانون وآئین کے طور پر قبول کرنے کی طرف اشارہ کیا تھا، آر ایس ایس کے انگریزی ترجمان ''آرگنائزر'' میں ۳۰/ نومبر ۱۹۴۹ء کو اپنے ایک مضمون میں اس بابت لکھا تھا:

''ہمارے آئین میں قدیم ہندوستان میں ہوئی بہترین آئینی چیزوں کا کوئی ذکر نہیں ہے...... آج تک اس قانونی نظام کی جو ''منوسمرتی'' میں پیش کیا گیا ہے سارے عالم میں تعریف کی جاتی ہے، اور یہ خود بخود مذہبی تعمیل کا جذبہ اور یکسانیت پیدا کرتا ہے، لیکن ہمارے آئینی پنڈتوں کے لیے اس کے کوئی معنی نہیں ہیں''۔(حوالۂ بالا ص:۴۲)

اوپر کی تفصیل صرف اسی لیے کی گئی ہے تا کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے کہ کیوں حکومتی سطح پر ''مسلم پرسنل لاء'' میں مداخلت کی جارہی ہے؟ ابھی حال ہی میں ۱۹/ ستمبر ۲۰۱۸ء کو مرکزی حکومت نے

’’تین طلاق بل‘‘ کا چور دروازے سے آرڈیننس منظور کرالیا ہے،(۱) جب کہ حکومت اس بل کو ایوانِ زیریں میں پاس کرا چکی تھی، ایوانِ بالا میں پاس کرانا باقی تھا، ایک دوبار اس کی کوشش بھی کی، لیکن اپوزیشن کی مخالفت کی وجہ سے پاس نہیں کیا جاسکا، تو حکومت نے اپنی الیکشن کی روٹی کو سینکنے کے لیے چور دروازہ (شارٹ کٹ گیٹ) کا انتخاب کیا اور اس بل کا آرڈیننس منظور کرالیا، جس میں تین طلاق دینا قانونی طور پر جرم ہوگیا اور اس پر کریمنل کوڈ کی طرح تین سال کی سزا دی جائے گی، جب کہ طلاق کا مسئلہ سول کوڈ کے دائرے میں آتا ہے، اس کا کریمنل کوڈ سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اس پورے پس منظر کا باریک بینی سے جائزہ لینے پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ موجودہ حکومت بشمول آر ایس ایس ’’ہندوتوا وادی نظریہ‘‘ کی حامل ہے، اسے ’’منوسمرتی‘‘ کا قانون وآئین پسند ہے اور وہی بطور قانون نافذ بھی کرنا چاہتی ہے، اسی طرح یہ ملک بنیادی طور سے ’’برہمن وادی نظریہ‘‘ کا حامل رہا ہے، کسی کی جزوی تبدیلیٔ مذہب سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کے آباء واجداد ہندو تھے، اس لیے سب کو اصل ہندو مذہب وعقیدہ کی طرف لوٹنا یعنی ’’گھر واپسی‘‘ ضروری ہوگی۔ ساتھ میں موجودہ آئین کی جھول دار دفعہ ۴۴/ کو سامنے رکھنے سے نتیجہ یہی نکلتا ہے جس کو آج کی آسان اصطلاح میں ’’شریعت میں مداخلت‘‘ یا ’’مسلم پرسنل لاء میں اصلاحات‘‘ کہا جاسکتا ہے۔

پس چہ باید کرد؟

اوپر تفصیل کے ساتھ ہم نے اس کا جائزہ لیا ہے کہ ’’شریعت‘‘ کیا ہے؟ نیز موجودہ ہندوستان میں ’’شریعت اور اس میں مداخلت‘‘ پر قدرے تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، اب یہ سوال ہوتا ہے کہ ان حالات میں ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ ہم کس طرح سے ان حالات کو صحیح رخ دے سکتے ہیں؟ اور کیسے شریعت میں مداخلت کو ناکام بنایا جاسکتا ہے؟

اس سلسلہ میں دو طرح کی کوششیں ہیں جن کو بروئے کار لا کر اس کا تحفظ کیا جاسکتا ہے۔

(۱) یہاں یہ واضح ہو کہ موجودہ حکومت اس بل کو پاس کرنے کی مسلسل کوشش میں لگی ہے، تحریر دو تین مہینہ پہلے لکھی گئی تھی، اب مجلّہ کو پریس میں جانے سے پہلے صورت حال یہ ہے کہ ۲۷/دسمبر ۲۰۱۸ء کو حکومت نے ایوان زیریں میں دوبارہ اکثریت کی بنیاد پر بل کو پاس کرایا ہے، چوں کہ پہلی مرتبہ پاس کرانے کے بعد اپوزیشن پارٹیوں نے جم کر اختلاف کیا تھا، اِسی وجہ سے اُس وقت ایوان بالا میں معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا، لیکن ایک بار پھر حکومت کوشش میں لگی ہے، اور تادم تحریر اپوزیشن کے اختلاف کے باوجود حکومت نے ایوان زیریں میں پاس کرالیا ہے، لیکن معاملہ ایوان بالا میں اٹکا ہوا ہے، اس لیے کہ اپوزیشن اس بات پر مصر ہے کہ بل کو سلیکٹ کمیٹی کے پاس بھیجا جائے اور اس کے بعد ہی اس کی تکمیل کی جائے، کیوں کہ اس میں بہت سی خامیاں ہیں، اور ان خامیوں کو دور کیے بغیر بل پاس کرنا جلد بازی ہوگا۔

(۱)داخلی کوشش (۲) خارجی کوشش

(۱) داخلی کوشش:

اس حوالے سے بنیادی طور پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ خدائی قانون بشکل شریعت اللہ رب العزت کا سب سے پسندیدہ قانون ہے، اسی پر مدارِنجات ہے، اس کو چھوڑ کر زندگی گزارنے پر کامیابی وکامرانی کا کوئی تصور نہیں ہے؛ بل کہ یہ سراسر خسران اور باعث ہلاکت وبربادی ہے۔اور مسلمان جب تک اس قانون الٰہی کی پاسداری کرتے رہیں گے وہ اللہ کے مقبول رہیں گے اور اس کی جانب سے عنایتوں اور محبتوں کے مستحق رہیں گے، دنیاوی اعتبار سے بھی کامیابی وکامرانی سے ہم کنار رہیں گے اور اخروی طور پر بھی فلاح وبہبود انھیں کا استحقاق ہوگا۔اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾[آل عمران:۱۹]

بے شک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔(توضیح القرآن)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِیْ الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ﴾(آل عمران:۸۵)

جو کوئی اسلام کے خلاف کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔(توضیح القرآن)

کامل ایمان آپ ﷺ کی کامل اتباع کو قرار دیتے ہوئے ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ (النساء:۶۵)

نہیں، (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کردیں۔(توضیح القرآن)

اسی کے دو آیت کے بعد ماننے والوں کے لیے انجام اور نعمت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓـئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا﴾(النساء:۶۹)

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا

ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔ (توضیح القرآن)

مشہور ومعروف حدیث جس میں کامل ایمان کی علامت بتائی گئی ہے کہ جب تک آدمی کی خواہش دین اسلام کے تابع نہ ہوجائے تو وہ کامل مؤمن نہیں ہوسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به" (رواه ابن رجب في جامع العلوم والحكم: ٨٢٤، الحديث الحادي والأربعون، دار ابن كثير بيروت)

اس کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جن میں وضاحت کے ساتھ مذکورہ باتوں کو بیان کیا گیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ شریعت کا تحفظ اصل عمل سے ہے، جب کہ زبان اور تحریر وغیرہ اس کے ذرائع اور وسائل ہیں، لہذا اس حل کا بنیادی نقطۂ نظر عمل ہے، کہ ہر مسلمان قانون شریعت کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالے، اس کا سارا کام رب اور رسول کی مرضی سے ہو، اس کے خلاف کرنے کو سب سے برا جرم سمجھے اور ہر ممکن شریعت پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں کو اس پر چلنے کی فکر کرے۔

یہ ایک ایسی صورت ہے کہ اگر ہم نے اس کا انتخاب کرلیا تو دنیا کی کوئی طاقت ہم سے ہماری شریعت اور خدائی قانون کو نہیں چھین سکتی، اس کی صدہا مثالیں تاریخ وسیر کی کتابوں میں موجود ہیں، اور یہی شریعت کے تحفظ کا بنیادی نقطۂ نظر ہے، جیسا کہ مضمون کے شروع ہی میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بطور دلیل پیش کیا گیا تھا، یہاں پر "پیغام یوسفی" کے ذیل میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کی اس حوالے سے ایک مفصل تحریر کا اقتباس نقل کرنا مفید معلوم ہوتا ہے، مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

"حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کا خاص سبق یہی ہے کہ کسی ملک میں مسلمان کی سیاسی پوزیشن خواہ کتنی ہی کمزور ہو، خواہ وہ بالکل اکیلا ہی ہو، کوئی دوسرا اس کا ہم مذہب اور ہم مسلک نہ ہو، اور اسے ہم نسلی اور ہم وطنی کی ہمدردی بھی کسی طبقہ کی حاصل نہ ہو، لیکن اگر وہ سچا مؤمن اور خدا پرست ہے، تقوی اور پرہیزگاری اس کا شعار ہے، اور اس میں کچھ ایسی صلاحیتیں بھی ہیں جن سے وہ ملک اور اہل ملک کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، اور وہ فائدہ پہنچاتا بھی ہے، تو ملک چاہے اس کا کلمہ نہ پڑھے، لیکن ملک میں اس کو عزت واحترام کا خاص مقام ضرور حاصل ہوکر رہے گا، اور اس کے دین ومذہب کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، اور اہل ملک اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوں گے، یہ اللہ کی سنت اور اس کا دستور ہے"۔ (دین وشریعت ص: ۲۳۲، مطبوعہ الفرقان بک ڈپو لکھنؤ)

اس ذیل میں چند باتیں بطور خاص مسلمانوں کے لیے کرنا ضروری ہے:

(۱) زندگی کو دین وشریعت کے مطابق مکمل طریقہ سے گزارنے کی فکر کریں اور ہمیشہ اس کے لیے کوشاں رہیں کہ زندگی کے امور میں کسی بھی موڑ پر شریعت کے خلاف کوئی کام نہ ہو۔

(۲) دین وشریعت کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کی فکر کریں اور اس کی اہمیت وعظمت کو باور کرا کر عمل پر ابھاریں۔

(۳) چھوٹے وبڑے دینی وتربیتی پروگرام اور جلسوں کا انعقاد تا کہ راست پر طور دین وشریعت کا پیغام پہنچایا جا سکے۔

(۴) شریعت کی افہام وتفہیم کے لیے قومی وملکی سطح پر تحریک چلائیں، جس میں اپنوں کے ساتھ غیروں کو بھی شریک کریں۔

(۵) اس کی ترویج واشاعت کے لیے کتابیں، رسائل اور پمفلٹ شائع کریں اور ہر خاص وعام، مرد وعورت کو مطالعہ کے لیے مہیا کریں۔

(۶) اسکول وکالجز میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے لیے بطور خاص دین وشریعت کی تفہیم کے لیے دروس اور کلاسوں کا انتظام کریں۔

(۷) نسل نو کی دینی تربیت واسلامی آبیاری کی ہر ممکن کوشش کریں اور ان کے لیے شبانہ روز یا صرف شبانہ دینی تعلیم کا نظم کریں۔

(۸) مسلمانوں کے مابین نزاعی واختلافی مسائل کے حل کے لیے شرعی دارالقضاء اور شرعی پنچایتوں کا انتظام کریں اور اس کی کوشش کریں کہ ہر فرد خواہ وہ کسی بھی مسلک ومشرب سے تعلق رکھتا ہو اپنے نزاعی مسائل کو انھیں سے حل کرائے، حکومتی اداروں اور کورٹ وکچہریوں میں جانے سے مکمل پرہیز کرے۔

(۲) خارجی کوشش:

شریعت کے تحفظ اور اس کی ذمہ داریوں کے حوالے سے پہلی بات قدرے تفصیل کے ساتھ عرض کی جا چکی ہے، اس سلسلہ کی دوسری بات جو خارجی ہے اور اپنوں سے ہٹ کر حکومت اور اغیار سے تعلق رکھتی ہے بہت اہم ہے، وہ یہ ہے کہ شریعت میں مداخلت اور اس میں ترمیم وتبدیلی کے تمام ممکنہ راستوں کو بند کرنے کی کوشش کرنا، یہ ہمارے لیے بدقسمتی ہی ہے کہ آئین ہند کی دفعہ۴۴/ میں یکساں سول کوڈ کا شوشہ باقی رہ گیا، ہر چند کہ ہمارے علماء واکابر نے اس کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن پھر بھی یہ

دفعہ باقی رہ گئی اور امت مسلمہ ہندیہ کے لیے امتحان وآزمائش کا سبب بن گئی اور بن رہی ہے۔

یہ بات ہمارے لیے باعث مسرت ہے کہ پرسنل لاء کی حفاظت کے لیے باقاعدہ ایک مسلمہ تنظیم ہمارے ملک میں موجود ہے اور اس نے اب تک اس حوالے سے جو کچھ جدوجہد کی ہے وہ صرف قابل تحسین ہی نہیں بل کہ لائق صد افتخار بھی ہے، حکومتی یلغاروں کے تعلق سے ہمیں اپنے سیاسی نظریات میں توازن واعتدال اختیار کرتے ہوئے اس بات کی ضرور کوشش کرنا چاہیے کہ کسی طرح ایسا ہوجائے کہ ہندوستان میں مکمل طریقہ سے پرسنل لاء کو تحفظ مل جائے اور اس پر کسی بھی درجہ میں حملہ کا خطرہ نہ ہو، لیکن ایسا ظاہری صورت میں ناممکن معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر یہ صورت نہ ہوسکے جیسا کہ ظاہرا لگتا ہے تو اس میں بہرحال یہ ذمہ داری تو ہر فرد پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی وساطت اور قوت سے حکومت کو مداخلت سے روکنے کی کوشش کرے، وہ حکومتی ادارے جو کہ شریعت میں مداخلت کا ذریعہ بن سکتے ہوں- ان کو روکنے کے لیے حکومتِ وقت اور اپوزیشن سے بات چیت کرے، اس کے نتائج کی خطرناکی سے آگاہ کرے اور اس بات کی مکمل جدوجہد کرے کہ یہ ملک گنگا جمنی تہذیب کا حامل ہے، یہاں کی مختلف تہذیبیں، روایتیں اور اقدار ہی اس ملک کی ترقی وکامرانی کا راز ہیں۔ یہ ایک ذمہ داری ہے جو مسلمانوں کے سر ہے، اور اس کو برتنا مسلمانوں کے ذمہ ہے، اس کے لیے مضبوط ومحفوظ قیادت کی بھی ضرورت ہے؛ تاکہ اس کی رہنمائی میں عمدہ طریقہ سے کام کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کی سابقہ تحریر کا اقتباس نقل کرتا ہوں، مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

> ''جس قسم کے ملکوں کے بارے میں گفتگو ہورہی ہے ان کے رہنے والے مسلمانوں کی ایک نہایت اہم ضرورت جس کا تعلق وہاں کی حکومتوں سے ہے، یہ بھی ہے کہ حکومت مسلمانوں کے ''پرسنل لاء'' کو ان کی خالص دینی چیز سمجھتے ہوئے اس میں عدم مداخلت کے اصول کو تسلیم کرلے، اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ہر مناسب تدبیر اور ہر ممکن جدوجہد کرنا ان مسلمانوں کا فرض ہوگا، اسی طرح مسلمانوں کا یہ بھی فرض ہوگا کہ ان کی زندگی کے جو مسائل اسلامی حکومت نہ ہونے کی صورت میں ان کے اپنے کسی اجتماعی شرعی نظام کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتے ہیں، ان کے لیے وہ اپنا شرعی اجتماعی نظام قائم کریں''۔ (دین وشریعت ص:۲۳۷-۲۳۸)

اسی طرح الیکشن کے مواقع پر فقہی قاعدہ ''اختیار أھون البلیتین'' کے مطابق اس پارٹی کا انتخاب کرے جس کا منشور اسلام اور مسلمانوں کے زیادہ مخالف نہ ہو، بل کہ جس سے اسلام اور مسلمانوں

کا فائدہ ہوسکتا ہو اس کا انتخاب کرے اور اس کو ووٹ دے۔ اس سلسلہ میں مولانا نعمانی مرحوم لکھتے ہیں:

''اس لیے سیاست وحکومت کے باب میں ان ملکوں کے مسلمانوں کا ایک اصول یہ بھی رہے گا کہ وہ ملک میں ایسے عنصر اور ایسی پارٹی کے برسر اقتدار آنے میں اگر مدد دے سکتے ہوں تو ضرور دیں، جس سے اس مقصد میں ہمدردی اور زیادہ سہولتیں حاصل ہونے کی امید ہو، مثلاً کسی ملک میں متعدد سیاسی پارٹیاں ہیں جو ملک کے نظام حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے الیکشن کے میدان میں اتری ہوئی ہیں، اور مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ کسی پارٹی کو برسر اقتدار لانے میں ان کی حمایت وتائید اثر انداز ہوسکتی ہے تو وہ اس پارٹی کو برسر اقتدار لانے کی کوشش کریں، جس سے یہ امید ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ اور خاص کر ان کے دینی مسائل کے ساتھ اس کا رویہ زیادہ ہمدردانہ رہے گا، اسی طرح اگر اس مقصد کا تقاضا حکومت میں شرکت کا ہو تو اس میں شریک بھی ہوں۔ یہ حکمت عملی بداہت عقل کا بھی تقاضا ہے اور شریعت میں اس کی بنیاد وہ معروف ومسلم اصول ہے جس کا مشہور عنوان فقہاء اور اصولیین کی زبان میں ''اختیار أهون البليتين'' ہے''۔ (حوالہ بالا ص: ۲۳۵-۲۳۶)

اس کے ساتھ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا، نیز ماہرین قانون اور سیاستداں حضرات کو بھی اس نظام عمل اور فلسفۂ حکمت کو سمجھایا جائے اور انھیں باور کرایا جائے کہ یہی قانون وآئین دراصل فطری قانون ہے، جو مالک حقیقی کا عطا کردہ ہے، اس میں تخفیف یا ترمیم پورے ملک کے لیے نقصان دہ ہے، اس کے لیے ملکی سطح پر بڑے اور اہم پروگرام کرائے جائیں جن میں بطور خاص ایسے افراد کو دعوت دی جائے اور ان کے سامنے مکمل وضاحت کے ساتھ بات رکھی جائے اور ان کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ یکساں سول کوڈ کے بجائے ملک کی گنگا جمنی تہذیب کو فروغ دیں گے اور اس کے لیے ہر ممکن تعاون بھی کریں گے۔

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) شریعت میں مداخلت کو سیاسی طور پر روکنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

(۲) اس کے لیے قانون اور آئین کا سہارا لیا جائے۔

(۳) باہمی مفاہمت اور گفت وشنید کے ذریعہ اس طرح کے مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی جائے۔

(۴) الیکشن کے مواقع پر ایسی پارٹیوں کا انتخاب ہو جو دوسری پارٹیوں کے بہ نسبت ضرر رساں نہ ہو، یا دوسروں کے مقابل میں کم ہو۔

(۵) الکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور ماہرین قانون، نیز سیاستداں حضرات کو شریعت کے اصول اور

طریق کار سمجھایا جائے اورانھیں باور کرایا جائے کہ دراصل یہی قانون اصل قانون ہے، جوفطرت کے موافق ہے،اوراس کی بنیاد پر بڑے بڑے جرائم کوختم کر کے ملک میں گنگا جمنی تہذیب اورروایت کوفروغ دیا جاسکتا ہے۔

یہ سطریں ہیں جوآج کل ملک کے پس منظر میں اس امید پر پیش کی گئی ہیں کہ ہم دین وشریعت کو سمجھیں، اس کی حفاظت اورطریق کار کومحسوس کریں اور ہرممکن طریقہ سے تحفظ کریں؛ تاکہ دنیا میں بھی سرخروئی حاصل ہواوراخروی اعتبار سے بھی فلاح ونجاح کے ضامن ہوں۔آخر میں مفکراسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا ایک مختصر اقتباس نقل کرتا ہوں جس میں انھوں نے یہاں کے حالات کے سدھار کے تعلق سے لکھا ہے، جوکہ چند الفاظ میں ایک جامع وبہترین متن کی حیثیت رکھتا ہے، گویا کہ سابق کی پوری تشریح اسی متن کی وضاحت ہے۔حضرت رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وللشعب الإسلامي الهندي مشكلات يعانيها اليوم ويحاول حلها والتغلب عليها، كان بعضها نتيجة أخطائه، وبعضها نتيجة رواسب الماضي ومخلفاته الفكرية والسياسية، وبعضها نتيجة وضع الأحوال والحوادث التي مرت بها الهند في العهد الماضي، ولا شك أن جميع هذه المشكلات عارضه طارئة، ستنحل إذا أثبت الشعب الإسلامي صبره واحتماله، وعالج الأمور بحكمة وأناة ورفق، وقدرت له القيادة الرشيدة المتزنة الجريئة“. (المسلمون في الهند ص:۲۰۱، دار ابن كثير بيروت)

ہندوستانی مسلمان بھی آج کل ایک آزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں،اوران کواپنی قومی زندگی میں چند دشواریوں اورمشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ان مشکلات میں بعض خودان کی اپنی غلطیوں کا نتیجہ ہیں،اوربعض ماضی کا ورثہ اورپچھلی تاریخ کا ”بقایا“ ہے، کچھ دشواریاں ایسی ہیں جوان حوادث وواقعات کی پیدا کردہ ہیں جو چند برس قبل ہندوستان میں پیش آئے، لیکن اس میں شک نہیں کہ راہ کی یہ دشواریاں عارضی ہیں اور ہمارے دیکھتے دیکھتے ابتلا کا یہ موسم گزر جانے والا ہے، بشرطیکہ مسلمان صبر وضبط سے کام لیں اور مسائل کوٹھنڈے دماغ سے حل کرنے کی کوشش کریں، اوران کوایک صاحب فکر متوازن دماغ، حقیقت پسند لیکن جری وبے خوف قیادت (لیڈرشپ) میسر آجائے۔

(ترجمہ از ہندوستانی مسلمان:۱۸۱-۱۸۲مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ)